حضرت عائشہؓ کا منہج نقد (استدراک) الاجابہ للزرکشی کا اختصاصی مطالعہ

عبدالغفار*

رانا تنویر قاسم**

Abstract

This Treatise leads the significant debate criticism on original text of knowledge of Hadith. To cover this topic it has been initiated with the earliest stage of art & Ahadith and it has been attached with the reign of companion who is basic decades of Islamic doctrine. Therefore conformity methodology has been adopted in between deductive approach of companion & Holy Prophet (SAW) and mother of faithful, Syeda Ayesha (R.A). But it calls not mean that other coursed of exploration have been stored over, yet decisive attention has been paid on the courses, hypotheses and inevitable detail, likewise, opinion & scholars has been consulted and notified. Thus both way ways of research and analytical and monetary system have been accumulated in this discussion, so that. It could cover different aspects of this topic.

Keywords: Fundamental Contents are Original Text, Companion and their Deduction Approach.

درایتِ حدیث کا ایک اہم موضوع نقد متن ہے کیونکہ اس کے سبب ہی کسی روایت پر صحت و ضعف کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی علماء نقد متن کا اہتمام کرتے رہے جبکہ بعض متعصب قسم کے مستشرقین مثلاً گولڈ زیہر، شاخت اور ونسنک نیز ان سے متاثر کچھ جدید قسم کے اسلامی سکالر یہ کہتے ہیں کہ مسلمان محققین کا سارا زور سند کی تحقیق پر تھا نا کہ متن پر حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔

دلائل سے جو صحیح بات سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ محدثین نے جہاں سند کی چھان پھٹک کی وہاں متن پر بھی تحقیق کی ہے۔ گو کہ زیادہ تر ان کی توجہ سند پر ہی رہی کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے بات لینے سے قبل اسی سے واسطہ پڑتا ہے، اسی بنیاد پر جب متن پر کوئی اشکال وارد ہوا یا کوئی علت نظر آئی تو انہوں نے اس کی بھی تحقیق کی۔

---

*اسسٹنٹ پروفیسر / صدر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ۔

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور۔

تحقیقی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علم کی نشانیاں عہد نبوی ﷺ میں ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئیں تھیں۔ مثلاً کسی صحابی نے روایت کو بسا اوقات قرآن کریم کی آیت کے خلاف یا دوسری سنت، عقل، تاریخ یا ناسخ کے خلاف پایا تو اس پر اشکال وارد کر دیا، ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ سے اس طرح کی باتیں زیادہ معروف ہیں، کیونکہ وہ کسی طرح کا بھی تعارض دیکھ کر خاموش نہیں رہتی تھیں نبی اکرم ﷺ سے فوراً دریافت کر لیا کرتی تھیں، جس کے جواب میں آنحضرت ﷺ موافقت اور تطبیق واضح کر دیتے۔

نقدِ متن کی تعریف:

یہ دو لفظوں سے مرکب ہے نقد اور متن، ان کی الگ الگ تعریف پہلے ملاحظہ کر لیں پھر تعریف اضافی بیان کریں گے۔

نقد: اس کا اصل مادہ نون، قاف اور دال ہے جس کا مفہوم کسی چیز کے کھلنے یا کھولنے کا ہے گھوڑے کے پاؤں سے جب کھال اتر جائے اور اس کا نیچے والا حصہ کھل جائے تو بولا جاتا ہے، "حاضر" "نقد" جبکہ داڑھ کو توڑنے پر بھی یہ لفظ مستعمل ہے تاکہ اس کی کھال اتر جائے۔ دراھم اور سکوں کے کھرے اور کھوٹے کی پہچان کے لئے نقد الدرھم آتا ہے۔[1]

نقد کی اصطلاحی تعریف:

علم يبحث في تمييز الاحاديث الصحيحة من الضعفة، وبيان عللها والحكم على رواتها جرحا و تعديلا بالفاظ مخصوصة ذات دلائل معلومة عند اہل الفن[2]

ا۔ ایسا علم جس میں صحیح احادیث کو ضعیف سے الگ کیا جائے اور اس کی علت بھی واضح کر دی جائے، نیز جرح و عدالت کے لحاظ سے اصولیوں کے ہاں پائے جانے والے مخصوص الفاظ کے ساتھ ان احادیث کے راویوں پر حکم بھی لگایا گیا ہو۔

---

[1] ابن فارس، ابوالحسین احمد بن زکریا، **معجم مقاييس اللغة**، تحقیق عبدالسلام، محمد ہارون، (بیروت: دارلفکر، ط ا، ۱۳۹۹ھ۔۱۹۷۹م)، ۵: ۴۶۷

[2] نور سیف احمد، **مقدمہ التاریخ لابن معین**، (مكة المكرمة: مرکز البحث العلمی واحیاء التراث العربی، ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء)، ۱: ۵؛ **تمییز الاحادیث المقبولة من غیرھا مع بیان علة ذلک**، العماش بدر بن محمد بن محسن، اشھر وجوہ نقد المتن، عنوان الشیخ السلام ابن تیمیہ، (مكة المكرمة: مجلہ جامع ام القری، عدد ۳۳ ۱۴۲۶ھ، ۷۵

متن کی لغوی تعریف:

اس کے حروف اصلی میم ، تا اور نون ہے ۔ یہ لفظ کسی چیز میں سختی پر دلالت کرتا ہے نیز اس میں لمبائی اور طوالت بھی ہو، سخت اور بلند زمین کو عربی میں ''المتن من الارض'' کہا جاتا ہے ۔یہ واحد ہے اس کی جمع متان اور متون آتی ہے۔[3]

متن کی اصطلاحی تعریف:

ما ینتھی الیہ غایۃ السند من الکلام[4]

''سند کے اختتام پر جو کلام ہو اسے متن کہا جاتا ہے۔''

نقد متن حدیث کی تعریف:

مرکب اضافی ہونے کی صورت میں اس فن کی کسی کتاب میں مجھے کوئی تعریف نہیں مل سکی اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کتب کے تصنیف ہونے کے زمانے میں نقد متن کوئی مستقل علمی موضوع نہ تھا بلکہ یہ درایت حدیث کے تحت ہی بیان ہوتا تھا۔

مجوزہ تعریف:

نقد متن حدیث ایک ایسا علم ہے جس میں حدیث کے مضمون کا مطالعہ کیا جاتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ علل قادحہ سے خالی اور اصول شرعیہ صحیحہ، عقل صریح، حقائق علمی ثابت شدہ تاریخ کے موافق ہو۔ حدیث کے سند پر غورو فکر کرنے والا جب اس کو شذوز و علت سے مبرا پائے تو پھر اسے متن کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ سند ایسا راستہ ہے جو متن تک لے کر جاتا ہے جبکہ دراصل متن ہی سے شرعی حکم معلوم ہوتا ہے۔

اس فن کی نشاۃ، ظہور کے اسباب، اہمیت اور قلّت تالیف کے اسباب:

نقد متن اور استدراکات صحابہ پر بات کرنے سے قبل ، اس فن کی نشاء ۃ ، اسباب ظہور اہمیت وغیرہ پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

---

[3] الجوھری ، اسماعیل بن حماد، **الصحاح فی اللغۃ**، تحقیق، احمد عبدالغفور عطار،(بیروت :دارالعلم الملا یین، ط ۲، ۱۳۹۹ھ۔ ۱۹۷۹م)، ۲: ۱۵۸ ابن فارس، **معجم مقاییس اللغۃ**، ۵: ۲۳۶، ابن منظور، **لسان العرب**،(بیروت :دار صادر، ط ۱ ،د،ت)، ۱۳: ۳۹۸

[4] ابن جماعۃ بدر الدین محمد بن ابراہیم، **المنہل الروی فی مختصر علوم الحدیث النبوی** ، تحقیق نحی الدین عبدالرحمن رمضان،(دمشق : دارالفکر، ط ۲، ۱۴۰۶ھ)، ۲۹

نشاۃ و تدوین:

رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ہی اس نقد کی ابتدا ہو گئی تھی کیونکہ کئی ایسی امثلہ ملتی ہیں کہ بعض صحابہ نے متن حدیث کو بظاہر قرآن مجید کے مخالف دیکھ کر سوال کر دیا حالانکہ حقیقت میں وہ تضاد نہیں ہوتا تھا کیونکہ رسول اکرم ﷺ اس کا ازالہ کر کے اصل صورت پیش کر دیتے اس طرح کے زیادہ تر اشکالات ام المؤمنین سیدہ عائشہ ؓ کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے، چنانچہ اگر وہ کسی آیت کا ظاہر دوسری کسی آیت سے ٹکراتا محسوس کرتیں یا حدیث نبوی کو قرآنی آیت کے مخالف پاتیں تو اس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے پوچھتی تھیں۔

بڑی معروف مثال ہے کہ جب انہوں نے یہ فرمان نبوی ﷺ سنا کہ روز قیامت جس کا حساب ہوگا وہ پھنس جائے گا اور عذاب سے دوچار کیا جائے گا، تو انہوں نے سوال اٹھایا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے یہ فرمانے کا کیا مفہوم ہوا۔؟

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا[5]

"کہ عنقریب اس کا آسان حساب لیا جائے گا۔"

تو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

انما ذلك العرض ولكن من نوقش الحساب يهلك[6]

اس آیت میں محض اعمال نامہ پیش کرنے کی بات ہے جبکہ جس کا مناقشہ اور سوال و جواب شروع ہو گیا وہ ہلاک ہوگا۔

عہد نبوی ﷺ کے بعد یہ موضوع دوسرے مرحلے میں منتقل ہو گیا، اس مرحلے میں تحمل اور اداء کی تحقیق، ناقلین کی چھان پھٹک شروع ہو گئی اور لوگ غلطی کے پیش نظر کثرت روایت سے ڈرنے لگے بلکہ خلیفہ رابع سیدنا علی بن ابی طالب ؓ تاکید کے لئے روایت بیان کرنے والے سے قسم لیا کرتے تھے۔[7]

---

[5] الانشقاق: ۷

[6] البخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح، کتاب العلم**، باب من سمع شیئاً فلم یفھمہ، فراجع فیہ حتی یعرفہ، (ریاض، السعودیہ: ناشر دار السلام والنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء)، حدیث: ۱۰۳

[7] خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی، **الکفایۃ فی علم الروایۃ**، تحقیق: ابو اسحاق ابراھیم بن مصطفی الدمیاطی، (مصر: دار الھدی، ط ۱، ۲۰۰۳م)، وقد حکم علیہ محقق الکتاب بالضعف

اس دور میں دادی کی وراثت میں سیدنا ابو بکرؓ کا قصہ ایک مثال بن سکتا ہے جو سنن ابو داؤد میں موجود ہے۔[8]

اسی طرح سیدنا عمرؓ نے اجازت لینے والے مسئلے پر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سے گواہی طلب کی تھی اور سیدنا ابو سعید خدری نے گواہی دیتے ہوئے واضح کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی کے گھر میں اجازت نہ ملنے کی صورت میں واپس چلے جانے کا حکم دیا ہے۔[9]

اس مرحلے میں بھی بعض صحابہ کرامؓ ایک دوسرے پر دلائل کا معارضہ پیش کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے سیدہ فاطمہ بنت قیس کا قصہ جو کہ مطلقہ ثلاث کے نفقہ اور رہائش کے متعلق تھا کو قرآن کے عموم کے مقابلے میں قبول نہیں کیا۔[10]

اس زمانہ کی ایک مثال یہ بھی بن سکتی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمروؓ نے حدیث بیان کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ علم علماء کے قبض کرنے سے ختم کرے گا نا کہ اسے لوگوں سے چھینے گا۔

سیدیہ عائشہؓ کو یہ حدیث پہنچی تو انہوں نے اس کا انکار کیا یہاں تک کہ سال گزر گیااور سیدنا عبداللہ بن عمروؓ تشریف لائے تو ام المؤمنین نے اپنے بھانجے عروہ بن زبیرؓ کو کہا جو حدیث انہوں نے پچھلے سال علماء کے حوالے سے سنائی تھی وہ پھر سنو، تو انہوں نے دوبارہ سنی تو من وعن اسی طرح بیان کی، پھر سیدہ عائشہؓ کو آکر بتایا تو انہوں نے کہا یہ سچ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے نیز اس میں نہ کوئی اضافہ کیا ہے اور نہ ہی کمی۔[11]

قرون اولیٰ میں اس نقد کی مثالیں عام نہیں ملتیں کیونکہ عہد نبوی بالکل قریب تھا، علم اور اہل علم کی کثرت، نبی اکرم ﷺ تک پہنچنے والی سند نہایت مختصر، بڑے بڑے جلیل القدر لوگ زبانی اس علم کو نقل

---

[8] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، تحقیق، عزت عبید الدعاس و عادل السید، **کتاب الفرائض**، باب فی الجدة، (بیروت :دار ابن حزم ط۱، ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷م)، ۳: ۲۱۳، حدیث: ۲۸۹۴

[9] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع باب الخروج فی التجارة، رقم الحدیث ۲۰۶۲

[10] الترمذی، السنن، **کتاب الطلاق واللعان عن رسول اللہ باب ماجاء فی المطلقة ثلاثا لاسکنی لھا ولا نفقة**،(ریاض، السعودیہ: ناشر دار السلام والنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء)، حدیث: ۱۱۸۰، ابن ماجہ للسنن، **کتاب الطلاق**، باب المطلقة ثلاثا ھل لھا سکنی و نفقة، حدیث: ۲۰۳۵، ۲۰۳۶، حدیث صحیح ہے۔

[11] مسلم، ابو الحسن مسلم بن حجاج، الصحیح، تحقیق، ابو قیبہ نظر محمد الفاریابی، **کتاب العلم باب رفع العلم وقبضہ و ظہور الجهل والفتن فی آخر الزمان**،(الریاض :دار طیبة، ط ۱، ۲۰۰۶ء)، حدیث: ۱۴

کرنے والے تھے۔ دلوں کی طہارت اور سلامتی کے ساتھ ساتھ ان لوگوں میں دین کی سمجھ بوجھ بہت خوب تھی نیز اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کے بڑے شائق تھے۔

لہٰذا اس زمانے میں پائی جانے والی چند مثالوں اور بعد میں نقد متن کے پھیلاؤ میں فرق کرنا ضروری ہے کیونکہ خیر القرون کے یہ نیک سیرت لوگ علم، فقہ، فہم علم و عمل میں بعد کے لوگوں سے بہت آگے تھے۔ ان کے اشکال کی بنیاد یا تو نصوص میں تعارض پر تھی یا پھر تاویل اور حدیث کے سبب اور منسوخیت کے عدم علم پر تھی۔

اس فن کی اہمیت:

یہ فن بڑا اہم ہے کیونکہ حدیث، سند اور متن کا مجموعہ ہوتی ہے اور متن وہ جز ہوتا ہے جس کا صدور نبی کریم ﷺ سے تسلیم کیا جاتا ہے نیز عمل کی بنیاد بھی اس پر ہوتی ہے لہٰذا سب سے پہلے اس کا ثبوت ہونا لازم ہے اور پھر علت، اشکال اور تعارض سے پاک ہونا بھی ضروری ہے، تاکہ صحیح انداز سے اس کی فقاہت پر رسائی حاصل ہو جائے۔ آنے والی سطور میں ہم اس فن کا مطالعہ حضرت عائشہؓ کے استدراکات کے تناظر میں کریں گے۔

استدراکات صحابہ پر لکھی گئی کتاب ''الاجابۃ لایراد ما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ'' للزرکشی کا مطالعہ:

اس عنوان کے تحت دو باتوں پر بحث کریں گے:

اول: استدراکات صحابہ پر اوّلین کتاب کس نے تالیف کی۔

دوم: علامہ زرکشیؒ نے اپنی کتاب "الاجابہ" میں اس موضوع پر جو طبع آزمائی کی ان کی کوششوں پر تفصیل سے بحث کریں گے۔

پہلا مولف کون؟

اس فن پر سب سے پہلے لکھنے والے استاذ ابو منصور بغدادہ ہیں، انہوں نے پچیس احادیث پر مشتمل ایک جز و رسالہ ترتیب دیا تھا جس میں ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کے صحابہ پر استدراکات تھے، انہوں نے جمع کرنے پر ہی اکتفا کیا، احادیث پر کسی قسم کا کوئی کلام نہیں کی، ان سے پہلے بھی کئی اہل علم نے اس موضوع پر لکھی اپنی کتب میں اس عنوان کو ضمناً بیان کیا تھا مثلاً ابن جوزی نے "الموضوعات" میں نقد متن کے چند عمدہ اور علمی قواعد کا تذکرہ کیا ہے جسے مسفر غرم اللہ الدمینی نے ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا ہے، اس کا نام ہے مقاییس ابن الجوزی فی نقد متون السنۃ من خلا کتابہ الموضوعات۔ (طبع اول، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء جوہ دارالمدنی)

امام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی کتاب احادیث القصاص میں بھی ان روایات کے متن پر نقد کیا ہے جو قصہ گو اور واعظین کے ہاں معروف ہیں اور ان میں ایسے ایسے جھوٹ پائے جاتے ہیں جنہیں عقل سلیم کے

مالک حضرات ہرگز قبول نہیں کر سکتے۔ علمی مجلّہ "العماش" جلد ۱۷ شمارہ نمبر ۳۳، ص ۷۱ پر اس حوالے سے مضمون شائع ہو چکا ہے جس کا نام تھا۔ "اشھر وجوہ نقد المتن عند شیخ الاسلام ابن تیمیہ"

اس فن میں ان کے شاگرد رشید امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی طبع آزمائی کی اور ایک چھوٹے حجم والی اور عظیم نفع پر مشتمل کتاب لکھی جس کا نام ""المنار المنیف فی الصحیح والضعیف" "رکھا۔اس کتاب میں متن کے لحاظ سے حدیث پر حکم لگانے کے ستر سے زائد اصول و ضوابط بیان کئے گئے سو یہ اسی موضوع پر لکھی گئی ایک نادر اور عمدہ ترین کتاب ہے۔

الاجابۃ للزرکشی مطالعہ و تجزیہ:

اس کتاب کا تجزیہ حسب ذیل باتوں پر مشتمل ہے:

۱۔ کتاب کا نام :علامہ زرکشی نے مقدمہ میں وضاحت کی کہ اس کا نام میں نے رکھا ہے۔

"الاجابۃ لایرادما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ" لہٰذا نام پر ہر طرح کے اختلاف کے لئے مصنف کی عبارت قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔[12]

۲۔ کتاب کا موضوع :ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ نے بعض صحابہ پر جو استدراکات فرمائے انہیں جمع کیا گیا ہے نیز انکی منفرد آراء بھی ہیں جن پر کلام شرح اور تجزیہ کے لحاظ سے کی گئی ہے، نیز کئی عمدہ فوائد بھی مؤلف نے بیان کر دیئے ہیں۔آنے والے صفحات میں ان کو تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔

۳۔ طبعات :یہ کتاب کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے ایک مرتبہ استاذ سعید افغانی کے اہتمام سے شائع ہوئی، پھر ۲۰۰۱ء مکتبہ الخانجی مصر سے طبع ہوئی جس پر تحقیق ڈاکٹر رفعت فوزی عبدالمطلب کی تھی، آخری مرتبہ ۲۰۰۴ء میں ڈاکٹر محمد بنیامین آرول کی تحقیق سے مؤسسۃ الرسالۃ بیروت سے شائع ہوئی۔ علامہ سیوطی نے اس کا اختصار کرنے کے ساتھ ساتھ فقہی ترتیب بھی دے دی نیز غیر ضروری باتیں حذف کردیں اوراس کا نام رکھا، عین الاصابہ فیما استدرکتہ عائشہ علی الصحابۃ۔

محمد بن عبداللہ بن راشد آل معدی نے جامع محمد بن سعود الاسلامیہ سے ۱۴۲۵ھ الموافق ۲۰۰۴ء میں الاجابۃ کی احادیث کی تخریج ایک رسالے میں کی جس کے صفحات کی تعداد(۱۱۵۰) گیارہ سو پچاس ہے۔

---

[12] الزرکشی، محمد بن ھادر بن عبداللہ ابو عبداللہ، **الاجابۃ لا یراد ما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ**، تحقیق :محمد بنیامین ارول،(بیروت:مؤسسۃ الرسالۃ، ط۱، ۱۴۳۵ھ / ۲۰۰۴م)، ۸۰

۴۔ الاجابۃ ،لکھنے کا مقصد :علامہ زرکشی نے اس کے مقدمے میں بیان کیاہے کہ :کتاب میں سید ہ عائشہؓ کے تفردات، مسائل کے بارے میں ان کی آراء اور وہ مسائل تحریر ہیں جن کے پیچھے ان کے پاس کوئی ثابت شدہ سنت موجود تھی۔

اسی طرح وہ باتیں جن کے متعلق انہوں نے اپنے زمانے کے علماء کا انکار کیا ، یا وہ مسائل ہیں جن کے حوالے سے ان کے عہد کے جلیل القدر لوگوں نے انکی طرف رجوع کیا ان کے اجتہادات، یا اس طرح کے دیگر مسائل میں نے تحریر کئے ہیں جو مجھے سیدہ عائشہؓ سے پہنچے ہیں ۔ لیکن مجھے مکمل احاطے کا دعویٰ نہیں البتہ کوشش بھرپور کی گئی ہے۔

ان روایات کے ساتھ فوائد اور جواہرات کی ایک لڑی بھی پرو دی گئی ہے تا کہ ان کی خوبصورتی کو چار چاند لگ جائیں۔ علامہ زرکشی کی یہ کتاب ان اولین کتب میں شمار ہوتی ہے جن میں اس خاص فن پر گفتگو کی گئی ہے اور اس میں آنے والی روایات میں بعض سند کے لحاظ سے ثابت نہیں اور بعض مواقع پر ام المؤمنینؓ کی رائے قابل توجہ ہے لیکن پھر بھی علماء نے ان چیزوں کو اکٹھا کیا اور ان پر کوئی تنقید بھی نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ ان کے ہاں متن حدیث پر نقد کا یہ انداز بالکل صحیح ہے ۔

علامہ زرکشی نے اپنی کتاب کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے :

اول: مقدمہ

دوم: ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ

سوم: اس حصے میں اصل کتاب یعنی موضوع کے مطابق احادیث ہیں۔

یہ احادیث دو طرح کی ہیں سیدہ عائشہؓ کے استدراکات جو خاص صحابہ پر تھے، چنانچہ پہلے خلفاء اربعہ کا تذکرہ ہے پھر دیگر صحابہ کا، ان کی تعداد بائیس ہے۔ جبکہ دوسری وہ احادیث ہیں جن میں سیدہ کے عام استدراکات ہیں۔

۴۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ سے علامہ زرکشی نے جو استدراکات نقل کئے وہ کل ستر ہیں جن میں سے ساٹھ معین صحابہؓ پر ہیں جبکہ باقی عام فقہی مسائل ہیں۔

علامہ زرکشی کا شرح کرنے میں منہج وطریقہ کار:

ان کی کتاب کو سامنے رکھنے سے حسب ذیل نکات سامنے آئے ہیں:

۱۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا دفاع کرتے ہیں اور بغیر دلیل اور علم کے ان پر تنقید کرنے سے منع کرتے ہیں نیز ان دونوں کتابوں میں پائے جانے والا اشکالات کو حل کرنے لئے علماء کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔

۲۔ ان اہم قواعد کی نشاندہی کرتے ہیں جن سے صحیح حدیث کو غیر صحیح سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اسانید اور رواۃ پر حکم لگانے کے لئے بعض اوقات علماء کی کلام بھی نقل کر دیتے ہیں اور اس کا مصدر بھی واضح کرتے ہیں جبکہ بسا اوقات فقط حکم لگانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۴۔ ایک حدیث کی مختلف روایات کی طرف توجہ دلانے کے ساتھ ساتھ ان میں صحیح کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔

۵۔ علل الحدیث ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی دیگر کتابوں میں موجود کلام کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔

۶۔ شرح کرتے ہوئے فقہ الحدیث پر سرسری نظر ڈالنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

۷۔ متون الأحادیث پر وارد ہونے والے بعض اشکالات ذکر کر کے ان پر تعلیق لگاتے ہیں نیز راجح موقف بھی بیان کرتے ہیں۔

۸۔ مسائل عقدیہ میں سے بعض کی نشاندہی کرتے ہیں۔

۹۔ اشخاص کا تعارف اور مبھمات کا بیان کرتے ہیں۔

۱۰۔ علامہ زرکشیؒ نے اس کتاب میں حدیثی مصادر کے ساتھ ساتھ دیگر مصادر کی طرف توجہ کی۔ مثلاً فقہی، اصولی، لغوی، سیرت نبویہ اور کتب تصوف وغیرہ، نیز شافعی ہونے کی نسبت سے فقط شوافع کی رائے کا ہی تذکرہ نہیں کیا بلکہ دیگر اسلامی فرقوں کی آراء بھی بیان کی ہیں، یہ باتیں) اوّلاً (تو ان کی وسعت علم پر دلالت کرتی ہیں) ثانیاً (اعلیٰ ظرفی اور عدم تعصب پر واضح دلیل ہیں۔

۱۱۔ لغوی بحث تو خوب کرتے ہیں یہاں تک کہ مبھم الفاظ کی وضاحت اور ناموں کے ضبط کے ساتھ ساتھ ایک لفظ میں اگر زیادہ لغات ہیں تو ان کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔

۱۲۔ اپنے ہم عصر یا سابقہ اہل علم کے ان اقوال کو بھی بطور استدلال پیش کیا جو نصوص شرعیہ کے مطابق ہیں۔

۱۳۔ علماء کے اقوال بیان کرکے جس کو راجح خیال کرتے اور دلیل کے موافق پاتے تو اس طرح کا لفظ بول کر اس کو ترجیح دیتے۔"وھوالاشھر" یہ قول زیادہ معروف ہے۔ یا پھر کہتے صححہ فلان، فلان نے اس کو درست قرار دیا ہے۔

۱۴۔ بعض اہل علم کے اقوال پر خود استدراک کرتے ہیں اور اس کی وجہ بھی بتاتے ہیں۔

۱۵۔ بعض مواقع پر اصولی مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں جو علامہ زرکشی کے ایک ماہر اصولی ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ بظاہر متعارض احادیث میں ترجیح قائم کرنے کے لئے قواعد اصولیہ کی معلومات ناگزیر ہے۔

الاجابۃ کے تناظر میں سیدہ عائشہؓ کے استدراکات کی امثلہ:

آنے والی سطور میں انتہائی اہم قسم کی بحث ہوگی جو ان قواعد و ضوابط کے متعلقہ ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے استدراکات والی احادیث جو علامہ زرکشی کی کتاب "الاجابۃ" میں پیش کی گئی ہیں۔دقیق مطالعہ کے بعد معلوم ہوا یہ چھ سے زیادہ اصول ہیں جن کو تحریر کیا جائے گا۔

پہلا اصول: عرض الحدیث علی القرآن :) حدیث کو قرآن پر پیش کرنا (اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ قرآن اور احادیث صحیحۃ اللہ کی وحی ہیں اور وحی کا مصدر اللہ تعالی کی ذات ہے ، اس لئے ممکن ہی نہیں کہ کوئی دو شرعی نصوص ایک دوسرے کے معارض) مخالف (ہوں اور ان کے درمیان تطبیق بھی ممکن نہ ہو اور ایسی صورتحال ہو تو حتمی طور پر ان دونوں میں سے ایک کے درمیان کوئی علت ہوگی اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"اللہ نے جو نازل فرمایا ہے اس میں اپنے نبی کی اتباع کو فرض قرار دیا ہے اور لوگوں پر ان کی اطاعت کرنا واجب ہے اور ان کی زبان) عربی (اس کے اوصاف پہلے بیان ہو چکے ہیں وہ اپنے اندر کئی معانی کا احتمال رکھتی ہے۔"

☆ بعض اوقات کتاب اللہ میں کوئی حکم عمومی الفاظ میں دیا جاتا ہے لیکن اس سے مراد خصوصی صورتحال ہوتی ہے۔

☆ بعض اوقات کوئی حکم خصوصی الفاظ میں ہوتا ہے لیکن اس سے مراد عمومی صورتحال ہوتی ہے۔

لہٰذا احادیث صحیحہ کتاب اللہ کے مخالف نہیں ہیں بلکہ اس کے مطابق ہی ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی مراد کے معانی کی وضاحت کرنے والی ہیں۔[13]

---

[13] محمد بن ادریس الشافعی، **الرسالۃ**،(بیروت: دار الکتب العلمیہ،۱۳۰۷ھ)،۲۲۲،۲۲۳

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی ایسی کتاب ہے جس میں باطل کسی طرف سے شامل نہیں ہو سکتا۔ پس اگر کسی قرآن مجید کی آیت اور حدیث مبارکہ کے درمیان ظاہری طور پر تعارض) مخالفت (موجود ہو تو ہماری تنقید کا رخ اس حدیث کی بنیاد کی طرف ہو جاتا ہے اور ہم ایسی علتیں تلاش کرنے لگتے ہیں جو ان اشکال کے لئے رافع ہوں۔ یقینا صحابہ اکرام کی مقدس جماعت وہ پہلی جماعت تھی کے جب ان کے سامنے قرآن کی آیت کے ظاہری معنی پر حدیث معارض) مخالف (آتی تو وہ حدیث کو رد نہیں کرتے تھے بلکہ وہ راوی بالحدیث کے متعلق خطاء، عدم ضبط، حدیث کو کامل طور پر روایت نہ کرنے یا اس کی وہ لاعلمی جس کو اس نے حدیث کے ساتھ خلط ملط کر دیا کا حکم لگاتے تھے اور یہ ایسے اسباب ہیں جو دو معارض نصوص کے درمیان پیدا شدہ تعارض سے کفیل بن جاتے ہیں۔

حدیث نبوی کو قرآن کریم پر پیش کرنا اس کی سنت نبوی سے کئی دلیلیں موجود ہیں۔ وہ احادیث جو اس مسئلہ میں امام زرکشی نے اپنی کتاب "الاجابۃ" میں نقل کی وہ تقریباً چند ااحادیث ہیں جہاں حضرت عائشہؓ نے "قاعدہ"الاحالہ علی القرآن الکریم" قرآن پر حدیث پیش کرنا (استعمال کیا ہے وہ احادیث جس میں ان کو اشکال پیدا ہوا جو ان کو پہنچی یا اپنے علاوہ کسی صحابی سے سنی تھی۔

اس کی مثالیں:

ا۔ پہلی حدیث: عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملکیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ کی ایک صاحبزادی (ام ابان) کا مکہ میں انتقال ہو گیا تھا ہم بھی ان کے جنازے میں حاضر ہوئے عبداللہ بن عمر اور عبداللہؓ بن عباسؓ بھی تشریف لائے میں ان دونوں حضرات کے درمیاں بیٹھا ہوا تھا یا یہ کہا کہ ایک بزرگ کے قریب بیٹھ گیا اور دوسرے بزرگ بعد میں آئے اور میرے بازوؤں میں بیٹھ گئے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے عمر بن عثمان سے کہا) جو ام ابان کے بھائی تھے (آپ رونے سے کیوں نہیں رک رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے۔ "میت پر گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے" اس پر عبداللہ بن عباسؓ نے بھی تائید کی کہ عمرؓ نے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔ پھر آپ بیان کرنے لگے کہ میں عمرؓ کے ساتھ مکہ سے چلا جب ہم بیداء تک پہنچے تو سامنے ایک ببول کے درخت کے نیچے چند سواروں پر نظر پڑی حضرت عمرؓ نے کہا جاکر دیکھو تو سہی یہ کون لوگ ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا تو صہیبؓ تھے پھر جب اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ انہیں بلالاؤ، میں صہیب کے پاس دوبارہ آیا اور کہا کہ چلئے امیر المومنین بلاتے ہیں۔ چنانچہ وہ خدمت میں حاضر ہوئے۔(خیر یہ قصہ تو ہو چکا) پھر جب حضرت عمرؓ زخمی کئے گئے تو صہیبؓ روتے ہوئے اندر داخل ہوئے، وہ کہہ رہے تھے۔ ہائے میرے بھائی! ہائے میرے صاحب! اس پر عمرؓ نے فرمایا: صہیب! تم مجھ پر روتے ہو، تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ " میت پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔"

عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہو گیا تو میں نے اس حدیث کا ذکر عائشہؓ سے کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ عمرؓ پر رحم کرے۔ اللہ کی قسم !رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ مومن پر اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب کرے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا کہ " اللہ تعالیٰ کافر کا عذاب اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے اور زیادہ کر دیتا ہے" اس کے بعد کہنے لگیں کہ قرآن مجید کی یہ آیت کہ:

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى[14]

"کوئی کسی کے گناہ کا ذمہ دار اور اس کا بوجھ اٹھانے والا نہیں۔"

يرحم الله عمر لا والله ما حدث رسول الله ﷺ ان الله يعذب المومن ببكاء احد ولكن قال ان الله يريد الكافر عذابا ببكاء اهله عليه قال و قالت عائشة رضي الله عنها وحسبكم القرآن } وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى[15]

اس حدیث میں عائشہؓ نے ابن عمرؓ کے فہم حدیث کا استدراک) تلافی (کیا ان کا فہم تو قرآن و سنت دونوں کے مخالف تھا قرآن کریم کے اس طرح کے جو مذکور سورہ الانعام کی آیت سے استدلال ہے اور سنت کے اس طرح کے رسول سے بعض صحابہ اور اپنے بیٹے جو چھوٹی عمر میں ہی فوت ہوگئے تھے ان پر رونا ثابت ہے اور آپ ﷺ کا یہ عمل مطلقاً میت کا اس پر رونا جبکہ وہ رونا میت کے خارج ازار دہ ہو گا جس کا حصول ہو رہا ہے تو کیسے اس شخص کا محاسبہ ہوگا جس کا اس فعل میں دخل ہی نہیں ہے۔ ہاں مگر ایسا شخص جو رونے کی وصیت کر کے جائے تو اس پر محاسبہ ہوگا جیسے علماء نے صراحت کی ہے اور ہم یہاں اس روایت کو کفار پر محمول کریں گے جیسے حضرت عائشہؓ نے وضاحت فرمائی ہے۔پس اس حدیث میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔[16]

اور حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا "حسبکم القرآن "تم کو قرآن کافی ہے۔ اس سے سنت کا رد نہیں ہوتا اس کو صرف اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ قرآن قطعی الدلالۃ، قطعی الثبوت نص ہے اور وہ یعنی راوی للحدیث نے اس روایت میں خطاء کی ہے پس کامل طور پر اس کا رد نہیں ہوگا یا اس راوی کے اس حدیث کے سمجھنے میں

---

[14] الانعام :۱۶۴ ؛ الجامع الصحیح البخاری، **کتاب الجنائز**، باب قول النبی بعذب المیت ببعض بکاء وأھلہ علیہ اذاکان النوح من سنتہ، حدیث:۱۲۸۸، ۱۲۸۷، ۱۲۸۶

[15] صحیح مسلم، **کتاب الجنائز**، باب المیت بعذاب ببکاء أھلہ علیہ،(الریاض: دار السلام للنشر والتوزیع ، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۸ء)،حدیث: ۲۱۵۰

[16] الاجابۃ للزرکشی، ۱۸۷۔۱۸۶، مسئلہ کی تفصیل کے لئے ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر العسلانی کی فتح الباری شرح صحیح البخاری دیکھیں: ۴ : ۲۸

خطاء ہوئی اس نے بالمعنٰی نقل کر دیا ان اسباب سے دو نصوص کے درمیان اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ اور ہم یہاں واضح کریں گے کہ حضرت عائشہؓ نے قرآن مجید کو بطور پیمانہ استعمال کیا اور ان پر کسی نے انکار نہ کیا۔ مثلاً یہ کہا جائے یہ نبیؐ کی حدیث ایسے ہی وحی ہے اس لئے اسے ہر صورت قبول کیا جائے یہ چیز اس قاعدے کے ضوابط کے ساتھ اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

دوسری حدیث: ہم سے یحیٰی بن موسی نے بیان کی ، ان سے وکیع نے ، ان سے اسماعیل بن ابی خالد نے، ان سے عامر نے اور ان سے مسروق نے بیان کیا کہ میں نے عائشہؓ سے پوچھا :اے ایمان والوں کی ماں! کیا محمدﷺ نے معراج کی رات میں اپنے رب کو دیکھا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے کہا تم نے ایسی بات کہی کہ میرے رونگٹھے کھڑے ہو گئے کیا تم ان تین باتوں سے بھی نا واقف ہو؟ جو شخص بھی تم میں سے یہ تین باتیں بیان کرے وہ جھوٹا ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ محمدﷺ نے شب معراج میں اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹا ہے۔ پھر انہوں نے ایک آیت مبارکہ "لا تدركهُ الابصار" سے لے کر "من وراء حجاب" تک کی تلاوت کی اور کہا کہ کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ سے بارے سوا اس کے کہ وحی کے ذریعہ ہو یا پھر پردے کے پیچھے ہو اور جو شخص تم سے کہے کہ آپﷺ آنے والے کل کی بات جانتے تھے وہ بھی جھوٹا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے آیت "وما تدری نفس ما ذا تکسب غدا" (اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا (کی تلاوت فرمائی اور جو شخص تم میں سے کہے کہ آپﷺ نے تبلیغ دین میں کوئی بات چھپائی تھی وہ بھی جھوٹا۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی۔ "یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك" اے رسول پہنچا دیے وہ سب کچھ جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے، ہاں آپﷺ نے جبرائیلؑ کو ان کی اصل صورت دو مرتبہ دیکھا تھا۔[17]

اس حدیث میں بھی رویت رب العالمین کے عقیدہ کی حضرت عائشہؓ نے نفی کی اور آپ کے الفاظ "لقدقف شعری"، میرے رونگٹھے کھڑے کردیئے۔ اس مسئلے میں آپ کی شدت کو واضح کر رہے ہیں۔ پھر رؤیت کی نفی کو قرآن مجید کی آیت "لا تدرکه الابصار" سے واضح کر کے راوی کی خطاء کو درست کیا یہ یہاں رؤیت اللہ کی نہیں بلکہ جبرائیلؑ کی مراد ہے۔ اور اصلاً اس مسئلہ میں اھل السنت والجماعت کے درمیان اختلاف ہے بعض رئویت کے قائل نہیں کچھ ویسے ہی اس چیز کی نفی کرتے ہیں یہ مسئلہ عقیدہ کی کتابوں میں وضاحت سے موجود ہے۔

---

[17] الاجابۃ للزرکشی ، ۱۸۷-۱۸۶، مسئلہ کی تفصیل کے لئے ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی کی **فتح الباری شرح صحیح البخاری** دیکھیں: ۴: ۲۸

اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے ابن ابی العز علی بن، علی بن علی الحنفی کی کتاب " شرح العقیدۃ الطحاویۃ" اور ابن حجر احمد بن علی العسقلانی کی کتاب " الغنیۃ فی مسالۃ الرؤیۃ" کی طرف مراجعت نہایت مفید ثابت ہو گی۔

تیسری حدیث: ابو حسان بیان کرتے ہیں کہ دو شخص حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے: نحوست صرف تین چیزوں میں ہوتی ہے گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں، تو کہنے لگے آسمان و زمین میں نحوست انہی سے پھیلتی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا :اس ذات کی قسم جس نے ابو القاسم پر قرآن مجید نازل کیا آپؐ اس طرح نہیں کہا کرتے تھے کہ نحوست صرف ان میں ہی ہے اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ[18]

یہ مثال بھی پچھلی مثال کی طرح ہی ہے۔ قرآن مجید کے ساتھ استدلال وہ وسیلہ ہے جس کی طرف حضرت عائشہؓ مجبور ہوتیں تھیں، حدیث کے نقل کرنے میں راوی کی خطاء کو بیان کرنے کے لئے بلکہ انہوں نے دوسری روایات میں واضح کیا کہ نبی یہ اھل جاہلیت سے نقل کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں سے یہ قول منقول ہے۔[19]

پس آپ ﷺ نے حکایتاً یہاں یا خبر دیتے ہوئے بیان فریا ہے:

علامہ زرکشیؒ نے اس سوال کا جواب امام بیھقی کا کلام نقل کرتے ہوئے دیاجہاں انہوں نے " ماجاء کم عنی فاعرضوہ علی القرآن " تمہارے پاس مجھ سے میری طرف سے جو بھی پہنچے اسے قرآن کریم پر پیش کرو،والی حدیث پر نقد کرتے ہوئے لکھا کہ یہ حدیث درست نہیں باطل ہے اس کا بطلان فی نفسہ ہو رہا ہے کیونکہ قرآن کریم میں تو کوئی ایسی دلیل نہیں جو حدیث کو قرآن پر پیش کرنے پر دلالت کرتی ہو۔[20]

علامہ زرکشی نے جہاں پر یہ اصول بیان فرمایا کہ " لا یجب عرض الخبر علی الکتاب" حدیث کو کتاب اللہ پر بیش کرنا واجب نہیں ہے(وہاں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے فرماتے ہیں ابن السمعانی نے اپنی کتاب

---

[18] الحدید :۲۲؛ المسند الطیالسی، سلیمان بن داؤد بن جارود، ۳۲، ۱۲۴، طبع ۱۴۱۹ ،حدیث: ۱۶۴۱، بخاری **کتاب الجہاد**، باب ما یذکر من شؤم الفرس ،حدیث: ۲۸۵۸

[19] **الاجابۃ للزرکشی**، ۲۰۷

[20] المعتبر فی تخریج احادیث المنہاج والمختصر، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن بھادر الزرکشی طبع ا، ۱۹۸۴ء، ص۱۷۷

قواطع میں فرمایاہے کہ جمہور حنفی علماء نے اس بارے کہا ہے کہ حدیث کو قرآن پر پیش کرنا واجب ہے۔ اگر وہ کتاب اللہ کے مخالف نہیں ہوگی تو قبول کر لی جائے گی ورنہ رد ہوگی اور اکثر متکلمین نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے اور فرماتے ہیں کہ ابوزیدؒ نے اپنے "اصول" میں خبر واحد کو سچا ماننے کے لئے چار نکات پیش کئے ہیں کتاب اللہ پر پیش کرنا، اس کے راویوں کا قول اس کے موافق ہونا۔ جو حدیث مستفیض جس کے بیان کرنے والے تین سے کم نہ ہوں طریق سے رسول اللہ سے ثابت ہے اس پر پیش کرنا۔

فرماتے ہیں: جو نبی کریم ﷺ سے یہ روایت ہے "ما أتاكم عني فاعرضوه على كتاب الله" اگر اس کی صحت ٹھیک ہوتی تو حدیث کو قرآن پر پیش کرنے میں حجت پکڑی جا سکتی تھی مگر ہم نے اس پر تحقیق کی تو اس کی صحت پر دلالت کرنے والی کوئی چیز نہ پائی بلکہ اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کا قول: ''وَمَآ اٰتٰئکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ''، جو رسول تمہیں دیں پکڑ لو، کو پایا۔[21]

ابن سمعانیؒ نے ابو زیدؒ کی کلام کا رد کرتے ہوئے فرمایا: خبر واحد فی نفسہ، حجت ہے جب وہ ثابت ہوجائے اس کا کتاب اللہ پر پیش کرنا واجب نہیں ہے۔ اسی لئے تو ہم نے کتاب اللہ کے عموم کو اس کے ساتھ خاص کرنے کو جائز کہا ہے اور اسی طرح قفال شاشی نے اپنی کتاب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اتباع کو واجب کیا ہے اور خبر واحد عموماً ''لا ینطق عن الهوى'' سے ہوتی ہے جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ اس کی صحت کا اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اس کی یہ حالتیں ہوں گی یا تو وہ کتاب اللہ کے موافق ہوگی تو وہ اس کی تاکید ہو جائے گی یا وہ کتاب اللہ کے موافق نہیں ہوگی تو وہ اللہ کی طرف سے نیا شرعی حکم ہوگا اسی لئے تو اللہ نے فرمایا ہے۔ "وَمَآ اٰتٰئکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ" اور یقیناوہ کتاب میں ہوگا مگر ہماری توجہ اس طرف نہیں ہوتی۔

فرماتے ہیں: اس قول کی کوئی حیثیت نہیں جو یہ کہے کہ جب میں کوئی سنت روایت کروں تو قرآن پر پیش کی جائے اور فرماتے ہیں کہ اگر وہ کسی معنیٰ کے مخالف ہو اور کتاب اللہ کا کسی معاملے میں رد کرے یا اس کی مباح کی طرف لے جائے تو سنت میں اس کی نفی ہے اس لئے وہ درست نہیں ہوگی اِلَّا کہ رسول اللہ نے اپنی سنت میں سے کسی چیز کو منسوخ کردیا ہو۔

---

[21] الحشر: ۷

لہٰذا حدیث کو قرآن کی طرف لوٹانا اس صورت میں مباح ہے جب حدیث میں کوئی اشکال ہو اور کسی لحاظ سے دونوں میں تطبیق بھی ممکن نہ ہو۔ اسی صورت میں ہم اس قاعدہ کی طرف رجوع کریں گے اور اس حدیث کے مصدر قطعی قرآن مجید کے مخالف ہونے کی وجہ سے ہم اس پر عدم صحت پر حکم لگائیں گے۔[22]

ثانیاً: عرض الحدیث علی الحدیث: (حدیث کو حدیث پر پیش کرنا) کی امثلہ

حضرت عائشہؓ نے اس قاعدے کو کئی جگہ پر استعمال کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

پہلی حدیث: محمد بن منتشر اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا اور ان سے ابن عمرؓ کے اس قول کا ذکر کیا کہ میں اسے گوارا نہیں کر سکتا کہ میں احرام باندھوں اور خوشبو میرے جسم سے مہک رہی ہو تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی، پھر آپ اپنی تمام ازواج کے پاس گئے اور اس کے بعد احرام باندھا۔[23]

ایک جگہ پر یہ لفظ ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہؓ کو ابن عمرؓ کا قول پیش کیا تو فرمانے لگیں: اللہ ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے، میں نے نبی کریم ﷺ کو خوشبو لگائی پھر اللہ کے نبی تمام ازواج کے پاس جاتے پھر اس کے بعد احرام باندھتے۔

دوسری حدیث: ابو ھریرہؓ اپنی روایتوں میں کہتے تھے کہ جس کو حالت جنابت میں فجر ہو جائے وہ روزہ نہ رکھے۔ سو میں نے) یہ مقولہ ہے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا (عبدالرحمٰن سے کہا: جو میرے باپ تھے انہوں نے اس کا انکار کیا اور ہم دونوں) یعنی ابو بکر اور عبدالرحمٰن (عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کو حالت جنابت میں صبح ہو جاتی تھی اور پھر روزہ رکھتے تھے اور جنابت بغیر احتلام کے ہوتی تھی (اس لئے کہ انبیاء کو احتلام نہیں ہوتا۔ یعنی صحبت سے ہی جنابت ہوتی ہے) کہا ابو بکر نے پھر ہم گئے مروان کے پاس اور عبدالرحمٰن نے ان سے ذکر کیا۔ سو مروان نے کہا: میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم ابو ھریرہؓ کے پاس جاؤ اور ان کی بات کا جواب دے دو پھر ہم ابو ھریرہؓ کے پاس آئے اور ابو بکر ان سب باتوں میں حاضر تھا اور ذکر کیا عبدالرحمٰن نے تو ابوھریرہؓ نے کہا کہ ان دونوں بیویوں نے فرمایا تم سے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو ابوھریرہؓ نے کہا کہ بے شک وہ اور لوگوں سے زیادہ جانتی ہیں پھر ابو ھریرہؓ نے اس قول کی نسبت فضل بن عباسؓ کی طرف کی اور کہا ابو ھریرہؓ نے کہ میں نے یہ بات فضل بن عباسؓ سے سنی تھی تو اس کو میں نے

---

[22] ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن بھادر للزرکشی، **البحر المحیط فی اصول الفقہ**، طبع دوم، ۱۹۹۲ء، ۶: ۲۶۴۔۲۶۳

[23] الجامع الصحیح للبخاری، **کتاب الغسل**، باب من تطیب ثم اغسل بقی أثر الطیب، حدیث: ۲۷۰

رسول اکرم ﷺ سے نہیں سنا۔ غرض ابو ہریرہؓ نے اس بات سے رجوع کیا جو وہ اس مسئلہ میں کہا کرتے تھے۔ میں نے ابن جریج کا (عبدالملک سے کہا کہ کیا ان دونوں بیویوں نے کہ صبح ہوتی تھی آپ ﷺ کو حالت جنابت میں بغیر احتلام کے پھر آپ روزہ رکھتے تھے۔[24]

ان مثالوں میں یہ چیز ملاحظہ کرنے والی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان مذکور دونوں حدیثوں میں راوی کی روایت یا ایک کے فعل بیان کرنے کے خلاف اللہ کے رسول ﷺ کے فعل سے استدلال کیا ہے اور حضرت عائشہؓ اس موقع کی شاھد اور خود خوشبو لگانے والی اور موقع پر حاضر تھیں۔ دوسری حدیث میں معاملہ زیادہ واضح ہے کیونکہ وہ معاملہ تو نبی کریم ﷺ کے گھر کے ساتھ خاص ہے اور حضرت عائشہؓ اس چیز کی خبر دے رہی ہیں جو ان کے گھر ہوا تو اس جگہ مخالف کی خبر سے حضرت عائشہؓ کی خبر بالا ولی مقبول ہوگی انہوں نے مذکورہ دونوں حدیثوں کو نبی کریم ﷺ کے فعل کی طرف منتقل کیا ہے اور اس مسئلہ میں مخالف قول کے ضعیف ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کی رائے ہی کا اعتبار کیا جائے گا۔

تیسری حدیث: معمر بن ابو حیہ بیان کرتے ہیں میں نے عبید بن رفاعۃ انصاری سے سنا انہوں نے کہا ہم ایک مجلس میں تھے وہاں حضرت زیدؓ بن ثابت بھی تھے تو وہاں ذکر ہونے لگا کہ غسل انزال ہونے سے ہی ہوتا ہے تو حضرت زیدؓ کہنے لگے جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو وہ اپنی شرم گاہ کو دھوئے اور وضو کرے۔ اہل مجلس میں سے ایک بندہ کھڑا ہوا اس نے آکر حضرت عمرؓ کو خبر دی تو حضرت عمرؓ نے اس شخص کو کہا تو جا اور ان کو اپنے ساتھ لے کر آ کہ تو اس بات پر گواہ بنے وہ گیا اور ان کو ساتھ لے کر آگیا تو حضرت عمرؓ کے پاس اصحاب رسول میں سے اس وقت حضرت علیؓ بن ابی طالب اور معاذ بن جبلؓ موجود تھے تو حضرت عمرؓ نے اس کو کہا: تم لوگوں کو اپنی طرف سے یہ فتویٰ بتاتے ہو؟ زید کہنے لگے: اللہ کی قسم یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ میں نے رفاعۃؓ بن رافع اور ابو ایوب انصاریؓ سے سنی ہے تو حضرت عمرؓ اپنے پاس موجود صحابہ سے پوچھنے لگے کہ آپ کی اس بارے کیا رائے ہے تو ان میں اس مسئلہ پر اختلاف ہو گیا تو حضرت عمرؓ کہنے لگے اے اللہ کے بندوں تم اختلاف کرتے ہو حالانکہ تم بہترین لوگ ہو۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ ازواج النبی ﷺ میں سے کسی کے پاس یہ مسئلہ پیش کریں اگر ان کے پاس کوئی اطلاع

---

[24] صحیح مسلم، **کتاب الصیام**، باب صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر و ھو جنب، حدیث: ۲۵۸۹

ہوئی تو وہ بتا دیں گی۔ حفصہؓ کے پاس یہ مسئلہ پیش کیا تو انہوں نے لا علمی کا اظہار کیا۔ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا تو وہ فرمانے لگیں: "جب ختنہ ختنہ سے مل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔"[25]

اس حدیث میں جماع کے موقع پر بغیر انزال کے غسل کے واجب ہونے کے متعلق شرعی حکم کو صحابہ نے واضح کیا۔ حضرت زید اپنے اماموں سے غیر انزال پر وضو کو نقل کرتے ہیں اور عائشہؓ نے اللہ کے نبی سے ختنہ سے ختنہ کے ملنے پر غسل کے واجب ہونے کو بیان کیا۔ حضرت زیدؓ نے جو نقل کیا وہ یہی فیصلہ کیا کرتے تھے اور شروع اسلام میں معاملہ ایسے ہی تھا اور ممکن ہے کہ رفاعہ بن رافع اور ابو ایوب انصاریؓ کو اس کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہوا ہو تو انہوں نے یہی بتایا حضرت عائشہؓ کو زیادہ علم تھا انہوں نے اپنے علم کے ساتھ فیصلہ کیا اور ان پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے ساتھ استدراک کیا۔

ثالثاً: حدیث کو عقل اور رائے پر پیش کرنا جو شریعت کے اصول و مقاصد کے ساتھ وابستہ ہو یہ بات تو معلوم قواعد میں سے ہے کہ اگر روایت عقل صریح یا اس کے موجبات کے اس لحاظ سے خلاف ہو کے کوئی تاویل بھی قبول نہ کی جائے یا حسّ اور مشاہدے کو بھی رفع کرے تو وہ حدیث ردّ کی جائے گی اور اس کا بطلان واضح ہو جائے گا کیونکہ شرع حنیف عقل کے مخالف نہیں ہے اور سنت جس کا تعلق وحی سے ہے ممکن ہی نہیں کہ وہ اس پر حاوی ہو۔

صحابہ میں سے اولاً جس نے اس چیز کو سمجھا حضرت عائشہؓ ان میں سے ہیں جو عقل کے خلاف کوئی چیز دیکھتیں تو اسے رد کرنے میں سستی نہ برتتی، اسی طرح جس چیز کا نبی کریم ﷺ سے صدور ممکن نہ ہو یا واضح شریعت کے مخالف ہو اس کی تردید کیا کرتی تھیں کیونکہ ان کی زندگی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے گھر میں گزری آپ کے ساتھ سفر کرتی تھیں۔ سنت میں اس قسم کی کئی مثالیں ہیں جہاں صحابہ کرامؓ نے غیر معقول روایت کے نقد میں عقل صریح کو استعمال کیا اس میں سے چند مثالیں یہ ہیں۔

پہلی حدیث: سیدنا ابو ھریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ عورت، گدھے اور کتے کے نمازی کے سامنے سے گزر جانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور ان سب سے بچاؤ یوں ہو سکتا ہے کہ نمازی کے سامنے کوئی چیز پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر ہو۔

---

[25] مسلم، **کتاب الطھارہ**، باب نسخ الماء من الماء، وجوب الغسل بالتقاء الختانین، حدیث: ۷۸۵

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تم نے ہمیں (عورتوں کو) گدھے اور کتے کے مشابہ قرار دیا ہے اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نماز ادا کرتے میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوتی مجھے کوئی حاجت ہوتی تو آپ ﷺ کو تکلیف دینا مجھے برا لگتا میں پاس سے دوسری طرف چلی جاتی۔[26]

دوسری حدیث: ابو ھریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میت کو غسل دیا وہ غسل کرے اور جس نے اس کو اٹھایا وہ وضو کرے۔ حضرت عائشہؓ کو یہ بات پہنچی تو آپؓ نے فرمایا: کیا مسلمانوں کے مردہ نجس ہیں اور جو شخص خوشبو کو اٹھائے اس پر کیا ہو سکتا ہے۔

پہلی حدیث میں حضرت عائشہؓ نے ابو ھریرہؓ کے عورت کے انقطاع صلوۃ والی چیزوں میں داخل کرنے پر انکار کیا وہاں انہوں نے عورت اور چوپاؤں میں سے حدیث میں مذکورہ جانوروں کے درمیان تشبیہ کی نفی اپنی عقل کے استعمال سے کی، اور دوسری حدیث بیان کرکے اللہ کے رسول کے فعل کے ساتھ انہوں نے اپنے مؤقف کو تقویت دی کہ آپؐ رات کی نماز پڑھتے تو میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوتی۔ اگر یہ چیز نماز کو توڑنے والی تھی تو اللہ کے رسول مجھے جگہ بدلنے کا حکم دیتے آپؐ تو وہاں ہی نماز پڑھتے تھے اور دوسری حدیث میں بھی عقل کا ضابطہ واضح ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مردہ کی نعش اٹھانے پر وجوب وضوء کو قبول نہیں کیا کہ کیسے بندہ خوشبو کو اٹھا کر وضو کرے۔

عرض الحدیث علی الوقائع التاریخیۃ: حدیث کو تاریخی واقعات پر پیش کرنا۔

باتوں کی تصدیق یا تکذیب کے لئے مبہمات اور افعال میں تاریخ کا استعمال علماء نے کیا ہے اور جنہوں نے اوائل ہی میں اس قاعدے کو پہچانا حضرت عائشہؓ ان میں سے ہیں، انہوں نے کئی مسائل میں یہ قاعدہ استعمال کیا جیسے حضرت علیؓ کے وصی ہونے کا مسئلہ اور اللہ کے رسول کے عُمروں کی تعداد کا مسئلہ۔

پہلی حدیث: ہم سے عمر بن زرارہ نے بیان کیا، کہا ہم کو اسماعیل بن علیہ نے بیان کیا عبداللہ بن عون سے، انہیں ابراہیم نخعی نے، ان سے اسود بن یزید نے بیان کہ عائشہؓ کے یہاں کچھ لوگوں نے ذکر کیا کہ علیؓ رسول اکرم ﷺ کے (وصی تھے تو آپؓ نے کہا کہ کب رسول کریم ﷺ انہیں وصی بنایا۔ میں تو آپ ﷺ کے وصال مبارک کے وقت سر مبارک اپنے سینے پر یا انہوں نے) بجائے سینے کے (کہا کہ اپنی گود میں رکھے

---

[26] صحیح مسلم، **کتاب الصلاۃ**، باب قدر وا لیستر المصلی، وبات الاعتراض بین یدی المصلی، ۲: ۵۹-۶۰، حدیث: ۱۱۶۷، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱

ہوئے تھی پھر آپ نے پانی کا طشت منگوایا تھا کہ اتنے میں سر مبارک میری گود میں جھک گیا اور میں سمجھ نہ سکی کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے تو آپ نے علی کو وصی کب بنایا۔[27]

دوسری حدیث: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، ان سے جریر نے بیان کیا، ان منصور نے ، ان سے مجاہد نے بیان کہ وہ اور عروہ بن زبیر مسجد نبوی میں داخل ہوئے، وہاں عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ، کچھ لوگ مسجد نبوی میں اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے عبداللہ بن عمرؓ سے ان لوگوں کی اس نماز کے متعلق پوچھا تو آپؓ نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے ، پھر ان سے پوچھا تو نبی کریم ﷺ نے کتنے عمرے کئے تھے انہوں نے کہا کہ چار، ایک ان میں سے رجب میں کیا تھا لیکن ہم نے پسند نہیں کیا کہ ان کی اس بات کی تردید کریں۔[28]

پہلی حدیث میں مذکور مسئلے کو حضرت عائشہؓ نے تاریخ کی طرف منتقل کیا اور حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت موجود تھیں حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ نے آخری لمحات تک اپنے بعد بننے والے خلیفہ راشد کے متعلق کوئی حکم جاری نہیں فرمایا بلکہ اس کو مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیا اگر آپؐ نے اس حوالہ سے کوئی خصوصی وصیت فرمائی ہوتی تو اس لمحے ضرور کوئی بات کرتے کیونکہ یہ پوری امت کا اجتماعی مسئلہ تھا اور آپ ﷺ کا قول ہر مخالف کے لئے دلیل قاطع ہوتا۔ اس لئے حضرت عائشہؓ نے اس قول کی عدم صحت کے بارے متنبہ فرمایاکہ انہوں نے اس بارے اللہ کے نبی سے کوئی فیصلے کا کوئی وصیت نامہ نہیں سنا، لہٰذ حضرت عائشہؓ نے اس مسئلہ کو تاریخ کی طرف منتقل کرکے حل فرمایا اور دوسری حدیث میں بھی حضرت عائشہؓ نے روایت کے نقل کرنے میں خطاء کو واضح کیا۔ جب انہوں نے ذکر کیا کہ عبداللہ بن عمر اللہ کے نبی کے ساتھ عمروں میں جاتے رہے ہیں مگر ان پر یہ معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے اور ہو سکتا ہے طول مدت کی وجہ سے بھول گئے ہوں لہٰذا حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کے نبی کریم ﷺ کے رجب کے مہینہ میں عمرہ کرنے کی تردید سیرۃالنبی ﷺ کا علم ہونے کی بناء پر کی۔ تو یہ واضح نص ہے کہ وہ احادیث جو مضبوط تاریخ کے مخالف ہوں وہاں روایت پر نقد کرنے میں تاریخ کا استعمال کیا جا سکتا ہے اور خاص طور پر جب نقل کرنے والا وہاں پر موجود ہو۔

یہ وہ اہم قواعد و ضوابط تھے جن کو بطور مثال علامہ زرکشی نے اپنی کتاب "الاجابۃ" میں نقل کیا جن میں حضرت عائشہؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا اسی طرح سنت نبویہ کی مزید تلاش و تتبع کرنے سے مزید قواعد جو دیگر صحابہ کرامؓ نے استعمال کئے مل سکتے ہیں۔ جس سے نص شرعی میں نقد کرنے کا صحابہ کرامؓ کا منہج معلوم ہو سکتا ہے۔

---

[27] صحیح بخاری، **کتاب الوصایا**، باب الوصایا و قو النبی ﷺ، وصیۃ الرجل مکتوبۃ عندہ، حدیث: ۲۷۴۱

[28] صحیح بخاری، **کتاب العمرۃ**، باب کم اعتمر النبی ﷺ، حدیث: ۱۷۷۵

خلاصہ بحث ونتائج:

۱۔ عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں "تنقید" صرف "متن "کے حوالے سے ہی موجود تھی۔ جبکہ مستشرقین اور ان کے پیروکار اس کے برعکس پراپیگنڈہ کرتے ہیں، اس کی وجہ واضح ہے کہ صحابہ کرام سارے عادل اور ثقہ تھے یہی وجہ ہے کسی ایک صحابی پر بھی جرح منقول نہیں نیز ابتدائی زمانہ تھا اور سند بھی بالکل مختصر بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی کیونکہ زیادہ تر احادیث تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے بالمشافہ لی تھیں، اور جو کچھ تعداد میں انہوں نے ایک دوسرے سے نقل کیں وہ بھی ان کے ثقہ اور عادل ہونے کا سبب تنقید، سے مبرا تھیں، یہ لوگ چونکہ وحی کے حاملین اور قرآن مجید کے محافظ اور مبلغ تھے ، کسی نے دوسرے پر کذب کا الزام بھی نہیں لگایا، اس لئے اس دور میں فقط متن پر تنقید ہو سکتی ہے۔

۲۔ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی علمی میدان میں خواتین کا کردار اہم نظر آتا ہے، انہیں گھروں میں ہی بند نہیں کیا جاتا تھا بلکہ کبار علماء و محدثین سے علمی و تنقیدی انداز سے بحث و مباحثہ کرتی دکھائی دیتی ہیں۔اور اسلامی فکر وتہذیب کے پھیلاو میں ان کا نمایاں کردار معلوم ہوتا ہے۔عہد نبوی میں ازواج مطہرات کی تگ و دو اور عصر صحابہ تابعین اور بعد کے زمانوں میں بلکہ آج تک ایسا ہی سامنے آرہا ہے۔

۳۔ سیدہ عائشہؓ کے استدراکات مختلف نوعیت کے ہیں جو کہ مضمون کے تنوع پر دلالت کرتے ہیں مثلاً کسی کا تعلق عقیدے سے ہے تو کوئی فقہ ، معاملات اور عورتون کے مسائل پر مشتمل ہے۔

۴۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے استدراکات کی تعداد کافی زیادہ ہے اور انہوں نے یہ نقد کسی ایک صحابی پر نہیں کیا بلکہ کئی جلیل القدر صحابہ پر استدراک ہے نیز یہ صحابہ ایسے تھے کہ لوگ علم اور مرتبے کے لحاظ سے ان کا احترام بجا لاتے تھے اور کثیر الروایہ بھی تھے۔

۵۔ سیدہ عائشہؓ نے نقد کیلئے مختلف مناہج استعمال کئے یعنی انہوں نے فقط نص شرعی کو ہی مد نظر رکھ کر نقد نہیں کیا بلکہ کبھی عقل کے لحاظ سے اعتراض کیا تو کبھی تاریخ کے مطابق۔

۶۔ استدراک کرتے ہوئے سیدہ عائشہؓ نے ایسے معین ضوابط اختیار کئے جو راوی کی غلطی پر دلالت کرتے تھے، یعنی خطا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اسکی علت بھی واضح کی۔چونکہ کسی صحابی پر انہوں نے جھوٹ بولنے کا الزام نہیں لگایا تھا اس لئے استدراک کے وقت ایسے الفاظ استعمال کیے جو راوی کی غلطی کی نشاندہی کرتے تھے ۔ مثلاً سننے والے کو غلطی لگی ہے، بھول گیا ہے ، اسے یاد نہیں رہا ، انہوں نے اچھے انداز سے سنا نہیں تھا اس لئے ان کو جواب بھی ناقص سمجھ آیا، انہوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ بیان کر دیا لیکن آخر کو چھوڑ گئے وغیرہ۔اس سے ان کی صحابہ کرامؓ کے بارے میں عزت واحترام اور تہذیب وشائستگی بھی ثابت ہوتی ہے۔

۷۔ علامہ زرکشیؒ نے جو استدراکات جمع کئے ان کی تعداد ستر (۷۰) ہے یعنی علامہ بغدادیؒ سے پینتالیس احادیث زیادہ ہیں اصلی عدد سے تقریباً دوگنا زیادہ ہیں۔

۸۔ کتاب الاجابہ کی اہمیت یوں زیادہ ہو جاتی ہے کہ اس میں علمی بحوث کو بھی اکٹھا کر دیا گیا یعنی تخریج کرنے کے ساتھ احادیث اور راویوں پر حکم بھی لگا دیا گیا ہے، تفردات اور غرابت کی توضیح کی گئی فقہ الحدیث کا اندراج ہے تعارض بیان کرکے ان کا حل پیش کیا گیا دیگر مسالک کے اقوال، لغت، سیر، تفسیر، اعلام کی معرفت وغیرہ یہ سب کچھ اس میں حسب ضرورت جمع کر دیا گیا ہے۔

۹۔ کتاب میں اگر کوئی جدید چیز ہو یا قیمتی اضافہ، متفرق اشیاء کو جمع یا کسی مشکل چیز کو آسان کر دیا جائے تو اس کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے سو جب ہم علامہ زرکشی کی اس کتاب کی ورق گردانی کرتے ہیں تو اس میں مختلف امتیازات نظر آتے ہیں۔

جدّت کے لحاظ سے یہ بات نظر آتی ہے کہ جس انداز سے انہوں نے استدراکات جمع کئے اور ان کا مطالعہ و تجزیہ پیش کیا، یہ اس موضوع پر پہلی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے گو کہ ان سے پہلے بھی یہ کوشش کی گئی، لیکن یہ انداز ہرگز نہ تھا اس طرح ان کا شمار مستقل متن حدیث پر تنقید کے علم میں مستقل اولین لکھنے والوں میں بھی ہوتا ہے۔